خوشبوئے وفا

خوشبوئے وفا

سمیعہ نسیم

(جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ)

نام کتاب	:	خوشبوئے وفا (شعری مجموعہ)
نام شاعرہ	:	سمیعہ خاتون
قلمی نام	:	سمیعہ نسیم
تخلص	:	نسیم
آبائی وطن	:	مظفر پور (بہار).
سن اشاعت	:	اگست ۲۰۰۵ء
تعداد	:	۲۰۰
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	منصور ذکی صادق
طباعت	:	فائن آرٹ پریس، گلی جین بی، رودگراں دہلی ۔۶
ترتیب و پیشکش	:	کمال جعفری
زیر اہتمام	:	صائمہ پبلشنگ ہاؤس

S-1A/14 جوگابائی ایکس ٹینشن، جامعہ نگرنئی دہلی ۔110025

قیمت : ایک سو روپے

ملنے کے پتے

۱۔ مسرز سید حسن B/37 پیوپلس کوآپریٹیو کالونی، کنکر باغ، پٹنہ ۔20

۲۔ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۔800 004

انتساب

ڈاکٹر سعداللہ ظفرؔ حمیدی مرحوم

مظفر پور کے نام

میں خدا کی حمد لکھا کروں، تری نعت پاک کروں رقم
مجھے شاخِ سدرہ کا دے قلم، مجھے روشنی کی دوات دے

سمیعہ نسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مجموعہ کلام

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
بارگاہ الٰہی میں فریاد	۱۵	مجھ سے اپنوں کا حال مت پوچھو...	۳۲
نعت شریف	۱۶	اہل کفار کو احساس ولادے یارب	۳۳
		دوستوں کو جب وفا میری......	۳۴
غزلیں		میرے خط کا جواب دے دیتے	۳۵
نہ طلب ہے مجھ کو زمین کی.........	۱۹	گھڑی میں ہنسائے..........	۳۶
جاتے ہوئے رفیق کو دیکھا نہ جا سکا	۲۰	یاد تو کاش نہ آ مجھ کو بھلانے والے	۳۷
اے موجِ بلا!...........	۲۱	جسے اپنے پرائے سے..........	۳۸
میرا قدم جو محبت کی بارگاہ میں ہے	۲۲	حال سن کے مرا وہ گھر سے......	۳۹
داستاں آپ کو جب..........	۲۳	زندگی میں بھلا یا برا کیجئے	۴۰
دل میں ہماری دیا دبسا کر تو دیکھتے	۲۴	تمام عمر سناتے رہے زمانے کو	۴۱
مجھے درد اس نے دیا چپکے چپکے	۲۵	مدینہ کی گلیوں میں مجھ کو بلاؤ	۴۲
مرے دل کو کتنا سکون تھا......	۲۶	نئے زخموں کیلیے دل میں جگہ........	۴۳
پرانی کہانی، پرانا فسانہ.........	۲۷	تو نے جینے کی دی بس سزا زندگی	۴۴
سب محوِ گفتگو تھے............	۲۸	عجب ہے انداز اب جہاں کا کہ...	۴۵
آواز گر سنوں تو وہ اپنا سا لگے ہے	۲۹	حرم میں لے چلو مجھ کو...........	۴۶
کوئی رت آئے در و بام سجائے رکھنا	۳۰	نکالو سا غرو مینا ابھی..............	۴۷
چارہ گر تیری دواؤں کا اثر........	۳۱	کیسے انسان کی یہ بستی ہے	۴۸

فضا کو رنگِ بہار دیں گے......... ۴۹
تیز تر ہے یہ وقت کی رفتار......... ۵۰
جس نے یکسر مجھ بھلا دیا......... ۵۱
اپنی پلکوں پہ حسیں......... ۵۲
کیسی الجھن ہے آدمی کے لیے ۵۴
خواب میں پا کر تجھے یوں...... ۵۵
ہر دل میں تمنا ہوتی ہے......... ۵۶
ہم ادھر اشک اپنا بہاتے ہیں......... ۵۷
بڑا احسان ہوتا کاش تم......... ۵۸
ہم محبت بھرے دل سے......... ۵۹
تیرے ڈھیل ہی سے مرے...... ۶۰
ظلم کے بعد عجب حال تمہارا ہوگا ۶۱
دوستی کو تم ہم نے نبھایا بہت ۶۲
اپنی بے نام تمنا کی قسم اے ساقی ۶۳
تیز تر ہے یہ وقت کی رفتار ۶۴

متفرقات

عراق کے پس منظر میں ۶۷
نظم سال نو کی آمد پر ۶۸
ادھورے خواب ۶۹
شکوۂ نیند ۷۱
فکر و عمل ۷۲
۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے تناظر میں ۷۳
سہرا ۷۴
ایک عزیز کی ملاقات کی خواہش ۷۶
اپنے بیٹے آصف کے نام ۷۷
ملبرن کا منظر ۷۸
ایک خوبصورت شام ملبرن میں ۸۰
ایک پارک کا حسین منظر ۸۱
ملبرن سے سڈنی کا سفر ۸۲
نذرِ ڈاکٹر ظفر حمیدی ۸۴
آسماں ان کی لحد پر......... ۸۶
چند اشعار ۸۷
سید ذکی حسن مرحوم کی وفات پر ۸۸
اپنی بہن اسما کی رحلت پر ۹۰
فطن آپا کی رحلت پر ۹۲
مختلف اشعار ۹۳
اپنے عزیزو کے نام حرف آخر ۹۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ اپنی بات

میں آج اپنا دوسرا مجموعۂ کلام خوشبوئے وفا کے نام سے اہلِ اُردو کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ میرا پہلا مجموعہ جو 'حرفِ دل' کے نام سے منظر پر آ چکا ہے اور آپ سب کی پسندیدگی نے حوصلہ افزائی میں تعاون بخشا، جس کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ مجموعہ جو آپ کی نظروں سے گزرے گا وہ میرے مہربان شاعر جناب کمال جعفری صاحب کی کاوش اور نوازش کا صلہ ہے، جنھوں نے میرے لیے اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی زحمت گوارہ کی۔ میں ان کی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں اور ان کی بے لوث ہمدردی و خلوص سے بہت متاثر ہوں۔ ان کے اس مخلصانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے یہ مصرعہ زبان سے نکل پڑا:

ع ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

دوسرے کرم فرما ہمارے ڈاکٹر منظر اعجاز صاحب ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کی بھی میں بہت بہت شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود میرے لیے اپنا بیش بہا وقت برباد کیا اور ہماری عزت افزائی جن الفاظ و انداز سے کیا ہے میں تاعمر ان کی احسان ادا نہیں کر سکتی۔ میں ان کے جذبۂ خلوص اور ہمدردی کی بہت مشکور ہوں۔ میں اس کی قطعی اہل نہ تھی انھوں نے ہماری شاعری کو قلمی وزن دے کر انسانیت کا ثبوت دیا ہے میری دعا ہے کہ خدا ان کی بقیہ زندگی اور بھی شاداں و فرحاں گزارے۔ آمین وہ ایک پڑوسی کے ناطے بھی مجھ سے قریب ہیں اور اب ان کے نوکِ قلم نے قریب تر کر دیا ہے۔

میرے کمزور خامہ میں کہاں اتنا توانائی
یہ منظر کے پسِ منظر میں شمع جگمگا اٹھی

ان کے علاوہ جن اصحابِ قلم نے میرے کلام پر اپنی رائے دی ہے ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اب میں اس تعلق سے کہنا چاہوں گی کہ جناب منظر اعجاز صاحب نے یہ

بوجھ بھی میرا ہلکا کر دیا اس مشینی دور میں جبکہ انسانیت پامال ہو رہی ہو اور اخلاقی قدریں بالکل معدوم ہو رہی ہوں، اس اندھیری فضا میں ایک چھوٹا ستارہ بھی چمکتا دکھائی دیتا ہے تو زندگی کو جلا ملتی ہے۔اب میں اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی:

طرز قدسی میں کبھی شیوۂ انساں میں کبھی
ہم بھی اک چیز تھے اس عالمِ امکاں میں کبھی

سمیعہ نسیم
معرفت سید حسن
B/37، پی سی کالونی، کنکر باغ، پٹنہ۔۲۰

''خوشبوئے وفا'' کی شاعرہ

اللہ کا شکر ہے کہ اردو زبان اپنی شیرینی و لطافت کی بدولت عوام و خواص میں یکساں مقبول رہی ہے۔ اس زبان کی مقبولیت کا راز یہ بھی ہے کہ غزل اردو کی سب سے مقبول صنفِ سخن ہے۔ میر، غالب، اقبال، حسرت، شاد، وحشت، فیض، مجاز، فراق، اور جگر سے لے کر ندا فاضلی اور سلطان اختر تک غزل نے ترقی کی بے شمار منزلیں کامیابی سے طے کی ہیں۔ شاعروں کے ساتھ شاعرات نے بھی صنفِ غزل کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ یہ سچ ہے کہ شاعرات کی تعداد بہت کم رہی ہے لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پروین شاکر نے بہت کم عمر پائی لیکن انہوں نے جو اردو ادب کی خدمت کی ہے اسے اردو دنیا ہر گز فراموش نہیں کر سکتی، میں اس وقت صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شاعرات کی موجودہ صنف میں سمیعہ تسنیم ایک ایسی شاعرہ ہیں جن کو شاعری وراثت میں ملی ہے ان کی والدہ مرحومہ صالحہ بیگم مخفی مظفر پور کی سب سے مقبول شاعرہ تھیں ان کی زندگی کا بیشتر زمانہ وحشت کلکتوی کے شہر کلکتے میں گزرا اور انھوں نے بنگال کی ایک معروف شاعرہ کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی تھی، بنگال کی شاعرات کا ذکر آتے ہی صالحہ بیگم مخفی کا نام زبان پر بیساختہ آ جاتا ہے۔

سمیعہ تسنیم جن کا اصل نام سمیعہ خاتون ہے، صالحہ بیگم مخفی کی دخترِ نیک اختر ہیں، سمیعہ تخلص تسنیم کرتی ہیں اور لگ بھگ پچاس سال سے عروس شاعری کی حنا بندی کر رہی ہیں۔ انھوں نے شاعری میں کسی کو اپنا رہنما نہیں بنایا بلکہ والدہ محترمہ کو اپنا کلام سنا کر داد پاتیں اور شعر کہتی رہتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود پر بھروسہ کر کے غزل، نظم، حمد، نعت، رباعی، قطعہ اور مرثیہ نظم کرنے لگیں اور کہنہ مشق شاعرہ بن کر ابھریں ان کے کلام کے گہرے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ انہوں نے سطحی شاعری نہیں کی ہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے وارداتِ حیات و کائنات کو پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری دلی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے وہ غزل کی روایتی شان کا لحاظ کرتی ہیں اور غزل کو غزل کے روپ میں پیش کرنے کی قائل ہیں۔ سمیعہ تسنیم صاحبہ تو بہت سی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتی ہیں لیکن غزل ان کا محبوب

صفِ سخن ہے۔ ان کی زبان سادہ و سلیس ہے، ان کی زبان کی شیرینی اور جذبے کی شدت نے وہ رچاؤ پیدا کیا ہے کہ ان کے اشعار کو پڑھ کر بے ساختہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ ذرا ان کے اشعار کے تیور دیکھیں اور میرے دعوے کی تصدیق کریں:

تمام عمر سناتے رہے زمانے کو
مگر کسی نے نہ سمجھا مرے فسانے کو

نفرت سے نہ دیکھو، ہمیں بیگانہ سمجھ کر
ہم لوگ اسی گھر کے ہیں باہر کے نہیں ہیں

محبت کی باتیں سہانی سی راتیں
کہاں چھپ گیا اپنا رنگیں زمانہ

مری خموش طبیعت کو کوئی کیا سمجھے
تجلی طور کی پنہاں مری نگاہ میں ہے

جس کی آمد کی خوشی میں پھول جاتی ہوں نسیم
جب وہ جاتا ہے تو پہلو سے نکلا جاتا ہے دل

سنا ہے فصل بہاراں میں پھول کھلتے ہیں
چلو چمن میں کہ دیکھی نہیں کلی میں نے

اک دیا جو جلا روشنی کے لیے
وہ مصیبت بنا تیرگی کے لیے

ظلم کرنا تو ہے آسان مگر یہ بھی سمجھ
سوچ لے اپنا بھی انجام ستانے والے

سرخیِ خوں ہے اب کہاں باقی
رہ گیا اب تو نام کا رشتہ

یہ اشعار صاف بتارہے ہیں کہ سمیعہ نسیم صاحبہ کو غزل سے قلبی تعلق ہے وہ کسی تصنع کی قائل نہیں ہیں بلکہ جو کیفیت دل پہ طاری ہوتی ہے اسے برملا شعر کے سانچے میں ڈھال دیتی ہیں بقول اقبالؔ:

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

ان کے کلام کو پڑھنے کے بعد یہ عیاں ہوتا ہے کہ وہ ذات اور کائنات دونوں کا مشاہدہ کرتی ہیں اور اپنی فکر کے ذریعے غزل کا حسین پیکر تراشی میں مظفر پور سے تعلق رکھنے والی سمیعہ نسیم ان دنوں عظیم آباد میں مقیم ہیں اور شادؔ کی سرزمین عظیم آباد کو اپنے فکر وفن کی دولت سے مالا مال کررہی ہیں۔ غزلوں کے علاوہ ان کی نظمیں موضوعاتی ہوتی ہیں لیکن دیرپا اثر رکھنے والی ہوتی ہیں، وفیات کے تحت لکھی گئی ان کی تعزیتی نظمیں اشکبار کرتی ہیں اور مرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کی ضامن ہیں۔ وہ ایک ایسی کامیاب شاعرہ ہیں جن کا ہر کلام حقیقت کی بولتی ہوئی تصویر پیش کرتا ہے۔ ان کو اپنی شاعری کے سلسلے میں نہ بڑی خوش فہمی ہے نہ بدگمانی، بلکہ وہ اپنی سادہ بیانی اور طرزِ اسلوب کی بدولت شاعرات کی بھیڑ میں ایک منفرد پہچان رکھتی ہیں، ان کو اس بات کا بھی احساس ہے کہ یہ دور ناقدری کا ہے۔ جیسی قدردانی فنکاروں کی شاہوں اور نوابوں کے زمانے میں ہوتی تھی اب عنقا ہے، یہی سبب ہے کہ وہ بیساختہ کہتی ہیں۔

قدر ہوتی ہے کہاں آج کی دنیا میں نسیمؔ
دورِ حاضر میں تو فنکار کی پامالی ہے

خدا سے دعا ہے کہ نسیم صاحبہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اردو ادب کو اچھے اشعار سے نوازتی رہیں، کہیں کہیں زبان و بیان کی معمولی خامی کے باوجود ان کا کلام قابلِ تحسین ہے۔ امید ہے، جس طرح ان کا پہلا شعری مجموعہ ''حرفِ دل'' مقبول ہوا تھا ان کا یہ دوسرا شعری مجموعہ ''خوشبوئے وفا'' بھی اردو دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔

کمالؔ جعفری (پروگرام ایگزیکیٹو)
آکاش وانی، پٹنہ
۳۰؍جولائی ۲۰۰۵ء

ڈاکٹر منظر اعجاز
صدر پوسٹ گریجویٹ شعبہ اردو
اے۔این۔کالج، پٹنہ

سمیعہ نسیمؔ

''حرفِ دل'' سے ''خوشبوئے وفا'' تک

''حرفِ دل'' کی شاعرہ محترمہ سمیعہ نسیم ''خوشبوئے وفا'' کے ساتھ ایوانِ شاعری میں قدم رنجہ فرمارہی ہیں۔ یہ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے جو پہلے مجموعۂ کلام ''حرفِ دل'' کی اشاعت کے تقریباً بائیس سال بعد منظرِ عام پر آرہا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب کہ وہ اپنی عمرِ عزیز کے بہترویں سال میں داخل ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کا ہر حرف، ہر لفظ، ہر عبارت، ہر علامت ان کے داخلی تجربات، ذاتی مشاہدات اور قلبی واردات و کیفیات کا ایسا مرقع ہے، جو رنگا رنگ بھی ہے، بوقلموں بھی ہے اور متنوع بھی۔ ان کا متغزلانہ آہنگ سوز و گداز اور ناز و نیاز کے مختلف مراحل و منازل سے ایک خاص رچاؤ کے ساتھ گزرا ہے اور وہ خاص رچاؤ ان کے شعری روایت سے متعلق ہے۔ جس کے خمیر اور تعمیر و تشکیل میں ان کے بزرگوں کا خونِ جگر شامل ہے اور جہاں تک بزرگوں کی بات ہے تو یہاں سب سے پہلے والدۂ ماجدہ مرحومہ صالحہ بیگم صاحبہ مخفیؔ مظفر پوری کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو با کمال شاعرہ تھیں۔

محترمہ سمیعہ نسیمؔ کے بزرگوں میں ہادی حسن خاں نایابؔ، مہدی حسن خاں شادابؔ، احسان حسن خاں احسانؔ، داور حسین خاں داورؔ، ریاض حسن خاں خیالؔ، ظفر حسن خاں ظفرؔ اور ابوالحسن خاں نیساںؔ جیسے صاحبانِ کمال شعرا گزرے ہیں، جن میں موخر الذکر مرحوم ابوالحسن خاں نیساں مرحومہ صالحہ بیگم مخفیؔ کے والدِ بزرگوار اور محترمہ سمیعہ نسیمؔ کے نانا تھے، مخفیؔ مظفر پوری شعر کہتیں اور ان کے اشعار شعر و سخن کی محفلوں میں پڑھے جاتے لیکن وہ خود نہ

پڑھتیں اور نہ عوام ہی میں یہ بات عام تھی کہ اشعار محترمہ صالحہ بیگم صاحبہ کے ہیں۔ ان کے نام کو ایسا پوشیدہ اور مخفی رکھا گیا کہ مخفی ہی ان کا تخلص ٹھہرا۔ دراصل کسی خاتونِ خانہ کا نام سرِ محفل اور سرِ عام کسی مرد کی زبان پر آئے یہ معیارِ شرافت کے خلاف تھا، چنانچہ متعدد متداول تذکروں سے ہی ان کا اصل نام ظاہر ہو سکا۔ ان کی وفات کے بعد ان کا مجموعۂ کلام ''نمودِ مخفی'' کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا۔ اسی روایتی ماحول اور صورتِ حال کی زائیدہ و پروردہ محترمہ سمیعہ تسیم بھی ہیں جن کے دور سے ترقی پسند تحریک کا زمانہ بھی گزرا اور جدیدیت کا رجحان بھی اور مابعد کے آثار و احوال بھی بہ سرعتِ رفتار گزرتے جارہے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ محترمہ تسیم کا قافلۂ شوقِ شاعری اور ذوقِ غزل گوئی بھی بے منت بانگ درا گزر رہا ہے اور شائستگی، سنجیدگی اور سلامت روی کے ساتھ گزر رہا ہے۔

''حرفِ دل'' ہو یا ''خوشبوئے وفا'' محترمہ سمیعہ تسیم کا اسلوب، اظہار کی سطح پر صاف و شفاف، سادہ و پرکار اور رواں معلوم ہوتا ہے اس میں کسی طرح کا الجھاؤ، پیچیدگی اور اشکال نہیں۔ حرف و لفظ اور عبارت و علامت کے برتاؤ میں ملائمت اور معصومیت کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی نفاست بھی ہے۔ حسن و عشق کے سوز و گداز اور وصال و فراق کے معاملات و مسائل بھی ہیں جو زندگی کی دھوپ چھاؤں میں راحت و رنج سے عبارت کیے جاسکتے ہیں۔ متغزلانہ روایت میں یہ چیزیں فکر کی بالیدگی اور خیال کی پاکیزگی کا سامان فراہم کرتی ہیں اور یہی چیزیں حسن و لطافت کے معیار کو وقار و اعتبار عطا کرتی ہیں۔ بلاشبہ خوشبوئے وفا بھی ایسی لطیف شے سے عبارت ہے جو گوشِ دل کو فردوسِ نگاہ بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حلقۂ اربابِ ذوق میں اسے ہدیۂ تبریک تصور کیا جائے گا اور اسی زاویۂ خیال سے میں اس کا استقبال کرتا ہوں۔

خاکسار

منظر اعجاز

۲۱ر جولائی ۲۰۰۵ء

شعر

آنکھ جب تک تھی کھلی ہم دید کو ترسا کیے
بند ہونے پر کوئی گر آشکار آیا تو کیا

بارگاہِ الٰہی میں فریاد

مرے اللہ! مرے داتا! مرے آقا! سن لے
سب کی سنتا ہے تو، میری مرے مولا! سن لے

ایک مجبور سے حالِ دلِ برباد بھی سن
ایک مظلوم کے لب پر ہے جو فریاد بھی سن

اپنے محبوب کی الفت کو جمادے دل میں
اور اوصافِ صحابہ بھی جمادے دل میں

نور سے اپنے مرے دل میں اجالا کردے
یا خدا اپنی تجلّی سے مصفّا کردے

دین و ایمان کی دولت سے نواز، اے مولیٰ!
اپنے قرآن کو سینے میں اتار، اے مولیٰ!

مرے مالک، مرے مولیٰ، مرے داتا دے دے
نہ سہی دولتِ دنیا، مجھے عقبیٰ دے دے

التجا اپنی سمیعہ کی تو یارب سن لے
اس گناہ گار کو بھی داخلِ جنت کردے

☆

نعت شریف

مجھ کو ہر غم سے بچالے، اے مدینے والے!
اپنی بستی ہی بسالے، اے مدینے والے!

دور سے دید کو مشتاق چلے آتے ہیں
رخ سے اب پردہ ہٹالے، اے مدینے والے!

ہوگی محشر میں سوالوں کی جو بارش مجھ پر
اس کی زحمت سے بچالے، اے مدینے والے!

پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ ہے نچھاور تجھ پر
میں ہوں اب تیرے حوالے، اے مدینے والے!

ذرۂ خاک ہوں، عاصی ہوں مگر تیری ہوں
اپنی کملی میں چھپالے، اے مدینے والے!

اپنی قسمت پہ کرے ناز نہ کیوں کر یہ نسیمؔ
مجھ کو یثرب میں بلالے، اے مدینے والے!

☆

غزلیں

میں نے لاکھ چاہا کہ غم مرا، رہے خامشی کے حصار میں
مری خامشی کو سمجھ گیا، مرا دوست کتنا ذہین تھا

نہ طلب ہے مجھ کو زمین کی، نہ نئے مکاں کی تلاش ہے
جہاں ایک بار جھکا تھا سر، اسی آستاں کی تلاش ہے

نہیں مال و زر کی ہے جستجو، نہ دیارِ غیر کی آرزو
جہاں نیند آئے سکون سے، مجھے اس جہاں کی تلاش ہے

جہاں فرشِ سبزہ بچھا بھی ہو، جہاں رقصِ بادِ صبا بھی ہو
جہاں رنگ رنگ کے پھول ہوں، مجھے گلستاں کی تلاش ہے

جو گلوں کا حسن نکھار دے، جو فضا کو رنگ بہار دے
جو چمن کو پھر سے سنوار دے، اسی باغباں کی تلاش ہے

ابھی زندگی کا یقین ہے کہ سفینہ اپنا رواں تو ہے
نہ تو ناخدا کی تلاش ہے، نہ تو بادباں کی تلاش ہے

میرا حال سب سے جدا سہی، میری بات سب سے الگ سہی
جو قریب سے مجھے سن سکے، اسی مہرباں کی تلاش ہے

ہے نسیم کی یہی التجا کہ معاف کر میری ہر خطا
نہیں اور کوئی ترے سوا مرا رہنما مرا ناخدا

جاتے ہوئے رفیق کو دیکھا نہ جاسکا
مجبور اس قدر تھے کہ روکا نہ جاسکا

یہ سچ ہے میرے گھر کا اثاثہ تو بک گیا
مجھ سے مگر ضمیر کو بیچا نہ جاسکا

بیٹی کا رشتہ آیا تو غم اور بڑھ گیا
مہنگا تھا اس قدر کہ خریدا نہ جاسکا

ساقی کے مے کدے میں تو پیتے ہیں عام لوگ
پینا جنابِ شیخ کا دیکھا نہ جاسکا

ہر اک گلی میں شور ہے ان کے فریب کا
لوٹا ہے اس قدر کہ چھپایا نہ جاسکا

انسانیت کی بات تو کرتے ہیں سب نسیم
گہرائی سے مگر کبھی سوچا نہ جاسکا

اے موجِ بلا! تیرے برابر کے نہیں ہیں
دریا کے شناور ہیں سمندر کے نہیں ہیں

نفرت سے نہ دیکھو ہمیں بے کار سمجھ کر
ہم لوگ اسی گھر کے ہیں، باہر کے نہیں ہیں

اے چارہ گرو، کیسا نشاں ڈھونڈ رہے ہو
یہ زخم تو اندر کے ہیں، باہر کے نہیں ہیں

کل تک جنھیں آتا نہ تھا جینے کا سلیقہ
وہ آج یہ کہتے ہیں، برابر کے نہیں ہیں

اقبالؔ کے اشعار میں قرآن کی تفسیر
یہ رنگ کسی اور سخن ور کے نہیں ہیں

صدیوں کے سفر کو بھی وہ لمحوں میں کریں طے
تیور یہ کسی اور پیمبر کے نہیں ہیں

یہ اشکِ ندامت ہے نسیمؔ، اس کی نہ پوچھو
موتی ہیں یہ پلکوں کے سمندر کے نہیں ہیں

☆

میرا قدم جو محبت کی بارگاہ میں ہے
تمام منظرِ خوش رنگ میری راہ میں ہے

حیات و موت کا خدشہ، نہ زندگی سے گریز
مرا وجود یہ سارا تری پناہ میں ہے

گھٹن، ملال، خلش، اضطراب کا عالم
بیاں ہو کیسے جو کلفت تمھاری چاہ میں ہے

کسی کو دوست بنانا تو ہے بہت آساں
قدم قدم پہ رکاوٹ مگر نباہ میں ہے

مری خموش طبیعت کو کوئی کیا سمجھے
تجلی طور کی پنہاں میری نگاہ میں ہے

نسیمؔ کس کو سنائے گی اب غزل اپنی
کہ سارا لطف گویوں کی واہ واہ میں ہے

☆

داستاں آپ کو جب اس نے سنائی ہوگی
ہے یقیں آپ کی بھی آنکھ بھر آئی ہوگی

اپنے رخ سے جو نقاب اس نے ہٹایا ہوگا
خرمنِ دل پہ بھی بجلی سی گرائی ہوگی

وعدہ آنے کا کیا آپ مگر آ نہ سکے
رات بھر آپ کو بھی نیند نہ آئی ہوگی

ٹوٹ کر قرب کے لمحوں پہ گرے گی بجلی
یہ نہ سوچا تھا کبھی تم سے جدائی ہوگی

ہم سیہ کار و گنہ گار سہی، پھر بھی نسیمؔ
رب سے امید ہے جنت میں رسائی ہوگی

☆

دل میں ہماری یاد بسا کر تو دیکھتے
حق دوستی کا کچھ بھی نبھا کر تو دیکھتے

دیوانہ جس نے مجھ کو بنایا ہے اس کا ہم
چہرہ ذرا نقاب اٹھا کر تو دیکھتے

شک رہ گیا تھا گر تمھیں میرے خلوص پر
جور و ستم کچھ اور بڑھا کر تو دیکھتے

تم میرے ذہن و دل میں سمائے ہوئے تو ہو
مجھ کو بھی اپنے دل میں سما کر تو دیکھتے

☆

مجھے درد اس نے دیا چپکے چپکے
کیا زخمِ دل کو ہرا چپکے چپکے

بظاہر وہ دنیا کی نظروں سے ڈر کر
تصور میں مجھ سے ملا چپکے چپکے

ہوا لائی ہے تیرے گیسو کی نکہت
تیرا نام جب بھی لیا چپکے چپکے

کبھی یاد کرنا، کبھی بھول جانا
محبت کی دی یہ سزا چپکے چپکے

بہت دیر آنسو چھلکتے رہے ہیں
ترا نام جب بھی لیا چپکے چپکے

نسیمؔ آیا خود ہی وہ جانِ تمنا
کرو شکر حق کا ادا چپکے چپکے

☆

مرے دل کو کتنا سکون تھا، مرا ماضی کتنا حسین تھا
مرا چین اس نے چرا لیا جو مرے سکوں کا امین تھا

نہ گلا ہے شعلۂ طور سے، نہ یہ آگ آئی تھی دور سے
مرا گھر اسی نے جلادیا مجھے جس پہ پورا یقین تھا

میں نے لاکھ چاہا کہ غم مرا رہے خامشی کے حصار میں
مری خامشی کو سمجھ گیا، مرا دوست کتنا ذہین تھا

مرا دوست جو کہ قریب تھا، وہ بچھڑ کے جانے کدھر گیا
اسے ڈھونڈنے پہ کھنڈر ملا، نہ مکان تھا نہ مکین تھا

پرانی کہانی، پرانا فسانہ، نئی بات ہو تو سنے یہ زمانہ
الٰہی یہ بدلا ہے کیسا زمانہ، تبسم بھرے لب پہ غم کا فسانہ

محبت کی باتیں، سہانی سی راتیں، کہاں چھپ گیا میرا رنگیں زمانہ
چمن بھی وہی، پھول پتے وہی ہیں، گلوں کا مگر اب الگ ہے ترانہ

سکوں بھی ملے گا خوشی بھی ملے گی، گزارو اگر زندگی درمیانہ
بلا کر کے جھک جانا شیوہ ہے اس کا، نہ چھوڑا ہے اس نے مجھے آزمانہ

ہے سمیعہ غزل میں تری بھی اثر کچھ
ہے اس کی طبیعت بھی کچھ عاشقانہ

☆

اشعار

میرے آنسو مری پلکوں پہ سجا رہنے دو
یہ جو بہہ نکلے تو رسوائی تمہاری ہوگی

فیصلہ حق میں سر دست تمہارا ہوگا
ہے یقیں ان کو وہاں جیت ہماری ہوگی

سب محوِ گفتگو تھے ستاروں کے ساتھ ساتھ
جاگی ہے رات درد کے ماروں کے ساتھ ساتھ

ساقی ہمیں تو جام پلا پر یہ شرط ہے
میت اٹھے تو بادہ گساروں کے ساتھ ساتھ

بے اختیار ہم کسی منزل کی کھوج میں
چلتے رہے ہیں راہ گزاروں کے ساتھ ساتھ

دنیا نہ دے دکھائی ہمیں تو دکھائی دے
یارب عرب کے چاند ستاروں کے ساتھ ساتھ

دل کو نسیمؔ تھام کے محفل میں بیٹھیے
ہے اہتمامِ قتل اشاروں کے ساتھ ساتھ

☆

آواز گر سنوں تو وہ اپنا سا لگے ہے
انداز مگر اس کا پرایا سا لگے ہے

الفت کا اسے نام نہ دیں اہلِ زمانہ
ہر فرد تو مطلب ہی کا شیدا سا لگے ہے

وعدہ پہ کسی اور کے آئے بھی یقیں کیا
اب حرفِ وفا بھی ہمیں دھوکا سا لگے ہے

اپنوں میں نہ الفت ہے نہ بیگانوں سے قربت
دنیا مجھے اب ایک تماشا سا لگے ہے

لگنے کو لگے کچھ بھی نسیمؔ اس پہ نہ سوچو
کرنا ہے وہی جو تمہیں اچھا سا لگے ہے

☆

کوئی رُت آئے درو بام سجائے رکھنا
دل میں ہو اشک مگر خود کو ہنسائے رکھنا

تیری نظروں سے ہیں ہم دور بہت دور مگر
شمع یادوں کی مرے دل میں جلائے رکھنا

ہے ستانے کا بھی اس کے یہ نرالا انداز
خواب میں آکے ہمیں شب میں جگائے رکھنا

قتل کرنے لگے جب وہ تو کہا بسمل نے
آستینوں کو مرے خوں سے نہائے رکھنا

آج اپنے بھی تو غیروں کی طرح ملتے ہیں
بے وفا لوگوں سے دامن کو بچائے رکھنا

اب کے طوفان کا جھونکا ہے بہت تیز نسیم
غیر ممکن ہے نشیمن کو بچائے رکھنا

☆

چارہ گر تیری دواؤں کا اثر دیکھے گا کون
چل بسا گر دیکھنے والا تب پھر دیکھے گا کون

اتنی جلدی زندگی کیوں ہو گئی ان سے خفا
اے اجل تو ہی بتا کہ اب یہ گھر دیکھے گا کون

باغباں! جوہی ، چنبیلی اور یہ چمپا گلاب
اب کے رُت بدلی تو خوشبو کا سفر دیکھے گا کون

چار دن کی زندگی ہے اور فانی ہے جہاں
خواب کے محلوں میں پھر دیوار و در دیکھے گا کون

ظلم کی تلوار گر انساں پہ یوں چلتی رہی
اے خدا یہ بحر و بر شمس و قمر دیکھے گا کون

ہر طرف ہے شام کی پھیلی ہوئی چادر یہاں
اب نسیم آؤ چلیں وقتِ سحر دیکھے گا کون

☆

۱

مجھ سے اپنوں کا حال مت پوچھو　　اتنا مشکل سوال مت پوچھو

اف مریضوں کا حال مت پوچھو　　کس قدر ہے نڈھال مت پوچھو

یہ حقیقت ہے میں بھی انساں ہوں　　کوئی چبھتا سوال مت پوچھو

ایک شاعر بھی تھا طبیب بھی تھا　　ہے ظفرؔ کا کمال مت پوچھو

زندہ رہنا بھی اس زمانے میں　　کس قدر ہے محال مت پوچھو

دیکھ کر موسیٰ ہو گئے بے ہوش　　اس کا حسن و جمال مت پوچھو

کل بھی مخفیؔ [۲] تھی آج بھی مخفی　　تھی وہ کیا ہے مثال مت پوچھو

گر شکن آگیا فلک پہ نسیمؔ

کیسا ہوگا جلال مت پوچھو

☆

۱ والدہ مرحومہ کی نذر

۲ والدہ مرحومہ کا تخلص مخفیؔ تھا

اہلِ کفار کو احساس دلا دے یا رب
اب ہمیں جینے کا انداز سکھا دے یا رب

ہم گنہگار سہی اور خطاکار سہی
اپنی رحمت کی تو چادر میں چھپا دے یا رب

اہل کفار ستم کر کے مزہ لیتے ہیں
ظلم کا ان کے مزہ ان کو چکھا دے یا رب

کان میں گونجتی رہتی ہے صدائے لبیک
کاش اک بار مجھے کعبہ دکھا دے یا رب

پی کر آئی ہوں مگر تشنہ لبی باقی ہے
پھر بلا کر مجھے زمزم تو پلا دے یا رب

ہو سکے جس سے تسلی دلِ مضطر کو نسیم
نور کی شمع بس اس دل میں جلا دے یا رب

☆

دوستوں کو جب وفا میری جفا لگنے لگی
زندگی اپنی حقیقت سے جدا لگنے لگی

بھول جانا بھی ہے مشکل یاد رکھنا بھی کٹھن
کشمکش کا یہ ستم خود کو سزا لگنے لگی

آج پھر اس طرح مجھ پر ظلم کی بارش ہوئی
خود دعا اپنے لبوں کی بد دعا لگنے لگی

دھوپ کی چادر سے ہٹ کر جنگلوں کی چھاؤں میں
ہائے قسمت اب ہوا بھی کچھ خفا لگنے لگی

آ گیا اپنا سفینہ مل گئی منزل نسیمؔ
جب مدینہ آ گیا ٹھنڈی ہوا لگنے لگی

☆

میرے خط کا جواب دے دیتے
دوستی کا حساب دے دیتے

جاگ کر کاٹتی نہ یوں راتیں
اپنی آنکھوں کا خواب دے دیتے

جس کو پڑھنے میں منہمک رہتی
مجھ کو ایسی کتاب دے دیتے

ہنسنے والو میری ضعیفی پر
مجھ کو میرا شباب دے دیتے

دیکھ کر رنگ اس کے چہرے کا
ہاتھ میں اک گلاب دے دیتے

ہمتِ حیدریؓ اگر ہوتی
ظالموں کو جواب دے دیتے

شعر سن کر نسیم سے چپ ہیں
داد تو کچھ جناب دے دیتے

☆

گھڑی میں ہنسائے گھڑی میں رُلائے
یہ کیسی ہے عادت سمجھ میں نہ آئے

ہمیں اب نشیمن کی حاجت نہیں ہے
کہو برق باراں سے بجلی گرائے

غم و رنج سہنے کی عادت ہمیں ہے
کہو شام دوراں سے کھل کر ستائے

رہا ہوش باقی تو پینے سے حاصل
کہو ساقی سے کچھ نہ مجھ کو پلائے

نسیمؔ اپنی منزل جہاں پر سکوں ہو
کدھر ہے وہ رستہ کوئی تو بتائے

☆

یاد تو کاش نہ آ مجھ کو بھلانے والے
جھوٹی ہے تیری محبت او جتانے والے

ڈرتے ڈرتے تیری محفل میں قدم رکھا ہے
لاج رکھنا مری محفل کو سجانے والے

ظلم کرنا تو ہے آسان مگر یہ بھی سمجھ
سوچ لے اپنا بھی انجام ستانے والے

زندگی ایک معمہ کی طرح ہے اے نسیمؔ
جس کو قاصر ہیں سمجھنے سے زمانے والے

☆

شعر

کب لٹے کیسے لٹے اور ہمیں لُوٹا کس نے
یاد سب کچھ تھا کبھی اب رہا کچھ یاد نہیں

جسے اپنے پرائے سے کوئی مطلب نہیں ہوتا
حقیقت میں اس انساں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا

جو اپنے ہی کو ہردم رونقِ محفل سمجھتے تھے
کہیں محفل میں ان کا تذکرہ بھی اب نہیں ہوتا

کبھی جو غیر کو بھی اپنے گھر میں ساتھ رکھتے تھے
انہی کے گھر میں اپنوں کا گزر کیوں اب نہیں ہوتا

بہت افسوس ہے دل کو بڑی حیرت کی باتیں ہیں
کہ سب ہوتے ہوئے بھی آدمی ہی جب نہیں ہوتا

☆

حال سن کے مرا وہ گھر سے تو ہنس کر نکلا
دیکھا تو آنکھ میں آنسو کا سمندر نکلا

ہم مسافر ہیں چلے جائیں گے کچھ دن رہ کر
کس لیے یار ترے ہاتھ میں خنجر نکلا

اپنے آنچل کو ذرا رُخ پہ سنبھالے رکھنا
ہوگا اک شور بپا ماہِ منور نکلا

تری آمد کی خوشی کیسے مٹائے گی نسیم
سال نو جو بھی ہو اک غم کا ہی پیکر نکلا

اپنا سب حال جو اک شعر میں کہہ دیتا تھا
اب کہاں میر سا کوئی بھی سخنور نکلا

بھول کر بھی نہ کیا یاد کبھی اس نے ہمیں
دوست سمجھا تھا جسے ہائے وہ کافر نکلا

☆

زندگی میں بھلا یا برا کیجیے
زندگی کا جو حق ہے ادا کیجیے

جو بھی کرنا ہو وہ برملا کیجیے
دردِ دل ہو سکے تو سوا کیجیے

جانے والا بہت دور جانے کو ہے
کچھ تو اب بھی دعا یا دوا کیجیے

لوگ سب جانتے ہیں کہ اپنا وہ ہے
پھر نسیمؔ آپ کیسے گلا کیجیے

☆

تمام عمر سناتے رہے زمانے کو
مگر کسی نے نہ سمجھا مرے فسانے کو

جلا رہا ہے نشیمن کوئی جلانے دو
لکھے گا کوئی مؤرخ مرے فسانے کو

مٹائے لاکھ زمانہ نہ مٹ سکیں گے ہم
مٹانے دے گا نہ یہ عزم دل زمانے کو

جو تلخ یادیں ہیں ماضی کی نقش دل پہ مرے
پلادے تھوڑا سا ساقی انہیں بھلانے کو

اب اس سے بڑھ کے مقدر نسیمؔ کیا ہوگا
بلایا روضۂ اقدس تجھے دکھانے کو

☆

مدینہ کی گلیوں میں مجھ کو بلاؤ
اور اک بار پھر سبز گنبد دِکھاؤ

یہ بے نور آنکھیں بھی ہو جائیں روشن
ذرا سا جو تم اپنا جلوہ دِکھاؤ

خدا کے ہو تم اور خدا ہے تمہارا
تم آقاؐ ہو میرے سزا سے بچاؤ

قیامت کی قربت سے ہے خوف طاری
خطاؤں کو بخشش کا رستہ بتاؤ

ملے کاش مجھ کو محبت کا گوشہ
مرے دل کو بھی ایسا مژدہ سناؤ

بہت تشنہ لب ہے نسیمؔ آج اس کو
حرم میں بلا کر کے زم زم پلاؤ

☆

نئے زخموں کے لیے دل میں جگہ خالی ہے
درد سہنے کی اب عادت سی بنا ڈالی ہے

اب کے ساون میں گھٹائیں بھی نہ برسیں یارب
اجڑا اجڑا ہے چمن اور بنا مالی ہے

بھری محفل سے تو زاہد نے کرائی توبہ
نکلے محفل سے تو دیکھا کہ گھٹا کالی ہے

قدر ہوتی ہے کہاں آج کی دنیا میں نسیمؔ
دورِ حاضر میں تو فنکار کی پامالی ہے

شعر

ابھی نہ دل سے مٹا میرا نام رہنے دے
خیال ہی میں سہی ہمکلام رہنے دے

تو نے جینے کی دی بس سزا زندگی
کتنی بے رحم ہے بے وفا زندگی
کیا خطا ہے مری کچھ بتا زندگی
کیوں ہے آخر تو مجھ سے خفا زندگی
آج تک کی نہ تو نے وفا زندگی
کاش کرتی حق اپنا ادا زندگی
تیری خاطر ہی دنیا میں رکھا قدم
ہو گئی تو اچانک جدا زندگی
غم کا بادل تو ہر دن برستا رہا
کچھ خوشی کی بھی آتی گھٹا زندگی
تو نے ہر موڑ پر آزمایا مجھے
ساتھ دیتے رہے ہم ترا زندگی
ہم نے ہر سمت تجھ کو پکارا بہت
تو نے مڑکر نہ دیکھا ذرا زندگی
یہ نسیمؔ اب کہاں تک تعاون کرے
چھوڑ بھی دے تو پیچھا مرا زندگی

عجب ہے انداز اب جہاں کا کہ آشنا آشنا نہیں ہے
کچھ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کسی کو پہچانتا نہیں ہے

خلوص دل میں نہیں ہے باقی مگر ہے ملنے کی رسم جاری
مری محبت کی داد دے دو کہ پھر بھی تم سے گلا نہیں ہے

سکون ایسا ملے جہاں میں کہ نیند آئے سبھوں کو دن میں
علاوہ اس ایک مدعا کے مرا کوئی مدعا نہیں ہے

وہی زمیں ہے وہی فلک ہے وہی ہے سامانِ عیش و عشرت
مگر یہ سوچو کہ ایسا کیوں ہے وہ زندگی میں مزا نہیں ہے

کوئی بھی الزام تم لگا دو مری محبت پہ جو بھی چاہو
یقین مانو کہ میرے دل میں کوئی تمہارے سوا نہیں ہے

غرض ہے اپنے جو بے غرض ہو جو اپنے مطلب سے بھی الگ ہو
نسیم اب تک تو زندگی میں کوئی بھی ایسا ملا نہیں ہے

حرم میں لے چلو مجھ کو یا بُت خانے میں رہنے دو
تصور ایک ہے میرا کسی خانے میں رہنے دو

چمن میں جی نہیں لگتا ہے ویرانے میں رہنے دو
تم اپنی یاد میرے دل کے کاشانے میں رہنے دو

یہ رسوائے سرِ بازار بن کر رہ نہیں سکتی
محبت ہے اسے دل کے نہاں خانے میں رہنے دو

جنابِ شیخ دنیا کی ریاکاری سے گھبرا کر
چلے آئے ہیں میخانہ تو میخانے میں رہنے دو

تمہارے دل کی بے تابی کا منظر سامنے کر دے
کوئی ایسا بھی ٹکڑا اپنے افسانے میں رہنے دو

مری بربادیوں کا قصہ سن کر جو یہ کہتے ہیں
ہمارا نام ہی للہ دیوانے میں رہنے دو

طویل افسانۂ غم اے نسیم اب کون سنتا ہے
لباسِ شبنمی دے کر غزل خانے میں رہنے دو

☆

نکالو ساغر و مینا ابھی کچھ رات باقی ہے
کرو نہ بند میخانہ ابھی کچھ رات باقی ہے

اذاں یہ مرغ نے دی ہے مؤذن نے نہیں دی ہے
ٹھہر جاؤ چلے جانا ابھی کچھ رات باقی ہے

وہی نغمہ پرانا جو کبھی تم گنگناتے تھے
وہی گاتا ہے مستانہ ابھی کچھ رات باقی ہے

سحر ہونے ہی والی ہے نسیم اب شمع گل کردو
مگر کہتا ہے پروانہ ابھی کچھ رات باقی ہے

اشعار

ایک دل تھا فقط جو اپنا تھا
اب تو وہ بھی نہیں رہا اپنا

☆

مرنے جینے سے روز کیا حاصل
اک مسلسل حیات دے دیتے

کیسے انسان کی یہ بستی ہے
جہاں انسانیت سسکتی ہے

ملنا جلنا بھی اب غرض کا ہے
رنگ دنیا بھی کیا بدلتی ہے

آج اپنوں سے غیر بہتر ہیں
کچھ تو اپنائیت سی لگتی ہے

رشتے ناطے کی بات ختم کرو
سب میں بیگانگی جھلکتی ہے

رسمِ دنیا نبھا رہی ہے نسیمؔ
دل ملے جس سے کون ہستی ہے

☆

فضا کو رنگِ بہار دیں گے گلوں کو بھی ہم نکھار دیں گے
خدا نے چاہا تو اس چمن کو ہم اپنے ہاتھوں سنوار دیں گے

یہ کیسی ہلچل ہے دنیا والو ذرا قناعت سے کام تو لو
تمہاری خاطر یہ چاند تارے زمین پر ہم اتار دیں گے

یہ بے سکونی یہ وحشتِ دل کیا ہے تیرے عمل نے پیدا
پکارو مجھ کو جو صدقِ دل سے تو ہر طرح کا پیار دیں گے

نئی ہے حسرت نئی تمنا نیا ہے انداز زندگی کا
کہاں سے پوری کریں یہ خوشیاں وہ کون ہیں جو ادھار دیں گے

یہی ہے افسوس اس جہاں میں نہیں ہے قدرِ خلوص باقی
نہیں ہے الفت کسی کو لیکن سبھوں کو ہم اپنا پیار دیں گے

اے ہنسنے والو کبھی یہ سوچا ہے کیسی ہوگی یہ صبح فردا
ہماری تو اب گزر چکی ہے بچی ہے جتنی گزار دیں گے

یہ آئے دن کے نئے تقاضے نسیمؔ اب تو تباہ کن ہیں
مزہ یہ کیا دیں گے زندگی میں ہمیں تو بے موت مار دیں گے

تیز تر ہے یہ وقت کی رفتار
خالی بھاشن سے کیا بھلا ہوگا

محوِ حیرت ہے آج حیواں بھی
آدمی اس قدر برا ہوگا

کاش اب بھی جہاں سنور جائے
پھر تو گلشن ہرا بھرا ہوگا

تجربات و مشاہدات کے بعد
دیکھئے کیا ان کا فیصلہ ہوگا

اس کا آکر کے پھر چلے جانا
اس خوشی سے تو غم سوا ہوگا

ہائے ظالم سے کیا امید وفا
بے وفاؤں سے کیا وفا ہوگا

فکر ہے تو نسیم بس یہ ہے
آنے والا بھی دور کیا ہوگا

جس نے یکسر مجھے بھلایا ہے
ذہن میں اس کا نقش چھایا ہے

اب خوشی بھی خوشی نہیں لگتی
دور کیسا یہ آج آیا ہے

اک غزل کو جو اس نے گایا ہے
دل کے اندر مرے سمایا ہے

داستاں اس کی جب سنا میں نے
آنکھ میں اشک بھر بھر آیا ہے

کل تک اپنا سمجھ رہے تھے جسے
آج لگتا ہے وہ پرایا ہے

دلِ ناداں اداس کیوں تو ہے
اپنے سر پر نبیؐ کا سایا ہے

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس
کس کو کھویا ہے کس کو پایا ہے

کٹ گئی ہے نؔسیم جب اپنی
دوسروں کا خیال آیا ہے

☆

اپنی پلکوں پہ حسیں خواب سجائیں کیسے
پھر سے اجڑی ہوئی بستی کو بسائیں کیسے

دور رہ کر کہ یہ مشکل ہے کہ آئیں کیسے
حق جو ہے دوستی کا اس کو نبھائیں کیسے

شکوۂ جور وجفا لب پہ بھی لائیں کیسے
سب کیے کی ہے سزا خود کو بچائیں کیسے

زندگی اپنی الگ موڑ پہ آ پہنچی ہے
سفرِ سخت کو آسان بنائیں کیسے

مسئلہ زیست کا ہر گام ہے الجھا الجھا
ہیں جو گمراہ انھیں راہ پہ لائیں کیسے

عہد رفتہ سے تو وابستہ ہے اپنی یہ حیات
عہدِ رفتہ کو بھلا دل سے بھلائیں کیسے

آگ باہر کی تو لوگ آکے بجھا دیتے ہیں
دل کے اندر کی لگی آگ بجھائیں کیسے

تھا جو شاداب چمن اب ہے خزاں کی زد میں
خشک مٹی پہ کوئی پھول کھلائیں کیسے

قتل کر کے وہ مجھے خوش تو بہت ہے لیکن
فکر ہے داغ کو دامن سے مٹائیں کیسے

دن ہو یا رات قیامت ہی کا منظر ہے نسیمؔ
پھر بھی سوئی ہوئی دنیا کو جگائیں کیسے

شعر

چلیے کچھ دیر ذرا بیٹھ کے باتیں کر لیں
پھر نہ جانے ہمیں یہ شام ملے نہ ملے

کیسی الجھن ہے یہ آدمی کے لیے
سینکڑوں غم سہے اک خوشی کے لیے

دوست کس کو بنائیں عجب دور ہے
ہم ترستے رہے دوستی کے لیے

ہر طرف یاس و حسرت کی دیوار ہے
کچھ خوشی چاہیے زندگی کے لیے

ان سے ملنا اگر ہے تو جلدی ملو
وقت رُکتا نہیں ہے کسی کے لیے

آپ کی بے رُخی جان لیوا ہوئی
شکر یہ آپ کا بے رُخی کے لیے

اب چمن میں وہ بادِ بہاراں نہیں
منتظر ہے فضا دل کشی کے لیے

زندگی کس اندھیرے میں گم ہو گئی
کچھ تو دو روشنی زندگی کے لیے

میکشی تو نسیم اپنی عادت نہیں
مشغلہ چاہیے دل لگی کے لیے

☆

خواب میں پا کر تجھے یوں تو بہل جاتا ہے دل
جاگتی ہیں جب یہ آنکھیں پھر تو بھر جاتا ہے دل

یاد کر کے جب تجھے بے چین ہو جاتا ہے دل
دیکھ کر تصویر تیری کچھ سنبھل جاتا ہے دل

حالِ دل مجھ سے نہ پوچھو دیکھ لو چہرہ مرا
سوزِ فرقت کا یہ عالم ہے کہ جل جاتا ہے دل

جاتے جاتے اک نظر اس کا پلٹ کر دیکھنا
یاد۔ آتے ہی وہ منظر بس مچل جاتا ہے دل

ناصحا ! تیری نصیحت سب ہمیں منظور ہے
دیکھ کر کالی گھٹا کو بس پھسل جاتا ہے دل

چشم نم کر دے نہ رازِ دل زمانے پر عیاں
اک اسی کو سوچ کر اکثر دہل جاتا ہے دل

جس کی آمد کی خوشی میں پھول جاتی ہوں نسیمؔ
جب وہ جاتا ہے تو پہلو سے نکل جاتا ہے دل

☆☆

ہر دل میں تمنا ہوتی ہے تکمیلِ تمنا مشکل ہے
اس دل کو کہاں تک سمجھائیں ہر چیز کا پانا مشکل ہے
ہر فرد کا ہے احساس جدا، انداز جدا، اخلاق جدا
ہر ساز کی لے ہوتی ہے جدا ہر لے کو ملانا مشکل ہے
جو آگ لگی تھی گھر میں مرے وہ آگ لگائی تھی کس نے؟
شمشیر تو لٹکی ہے سر پر یہ بات بتانا مشکل ہے
آہیں نہ بھریں نالے نہ کیے زخموں کو بھی رکھا پردہ میں
آنسو تو پرانے بھیدی ہیں ان کو تو چھپانا مشکل ہے
ماضی کی جو یادیں آتی ہیں اشکوں کا تسلسل جاری ہے
ایسے میں نسیم ان آنکھوں میں اب نیند کا آنا مشکل ہے
طاقت کے نشہ میں چور تھے تم اور حد سے سوا مغرور تھے تم
ہاتھوں میں تمہارے آجائے یہ سارا زمانہ مشکل ہے
نظریں بھی ملیں اور لب بھی ہلے لیکن نہ زباں سے بات ہوئی
پر درد بہت ہے افسانہ، افسانہ سنانا مشکل ہے
وہ دن جو ہمارے بیت گئے سب شیخ و برہمن اپنے تھے
اس دن کو بھلائیں ہم کیسے اس دن کو بھلانا مشکل ہے
مسجد سے اذاں کی آئی صدا اب حضرتِ ناصح جائیں کدھر
پھر جام بڑھایا ساقی نے اب ہوش میں آنا مشکل ہے

ہم ادھر اشک اپنا بہاتے رہے
اور ادھر تم کھڑے مسکراتے رہے
منہ سے انکارِ الفت جتاتے رہے
دل میں ہلچل سی لیکن مچاتے رہے
یہ محبت کا بھی ایک انداز ہے
چھپ کے جلوہ وہ اپنا دکھاتے رہے
کوئی ٹھہرا نہ دل میں تمہارے سوا
کتنے آتے رہے کتنے جاتے رہے
تم کو ملنے کی مجھ سے ہے فرصت کہاں
محفلِ غیر لیکن سجاتے رہے
اس طرح سے ہمیں وہ ستاتے رہے
سامنے آکے چلمن گراتے رہے
اب نسیم اپنی منزل بھی ڈھونڈے کہاں
ہم تو بس راہ میں آتے جاتے رہے

☆

بڑا احسان ہوتا کاش تم اتنا جو کر دیتے
مری بے رنگ غزلوں میں غزل کا رنگ بھر دیتے

وفاداری یہ کیسی ہے کہ بالکل بھول بیٹھے ہو
کبھی میری خبر لیتے کبھی اپنی خبر دیتے

توجہ تھوڑی سی بھی تم اگر میری طرف دیتے
تو ہم بھی اپنی جاں قربان کرتے ہم بھی سر دیتے

پشیماں ہوں گناہوں پر بھروسہ تیری رحمت پر
مجھے بھی کاش جنت کے کسی گوشہ میں گھر دیتے

زمانہ آپ کی چشمِ کرم سے فیض پاتا ہے
سمیعہ کی طرف بھی اک نگاہِ لطف کر دیتے

☆

ہم محبت بھرے دل سے ہی ملا کرتے ہیں
لوگ پھر بھی مری الفت کا گلا کرتے ہیں

اپنے بھی غیر کی مانند ملا کرتے ہیں
جو خوشی دیتے تھے اب غم وہ دیا کرتے ہیں

مجھ سے محفل میں جو پیمانِ وفا کرتے ہیں
ہیں وہی دوست جو زخموں کو ہرا کرتے ہیں

بے وفائی پہ بھی ہم اس کے وفادار رہے
حق محبت کا کچھ اس طرح ادا کرتے ہیں

لے چلی ہے یہ کہاں آبلہ پائی میری
ایسی راہوں پہ تو دیوانے چلا کرتے ہیں

گرچہ ہم سے وہ کبھی ملتا نہیں پھر بھی نسیمؔ
وہ سلامت رہے بس اس کی دعا کرتے ہیں

☆

تیرے ڈھیل ہی سے مرے خدا یہاں دشمنوں کا وبال ہے
تو نظر اٹھا کے جو دیکھ لے تو بتا کسی کی مجال ہے

ترے نام لیوا پہ دم بدم وہ ستم کہ جینا محال ہے
نہ کرم کی کوئی امید ہے نہ تو عدل ہی کا سوال ہے

کوئی حال پوچھے تو اے صبا! تو یہ کہنا ان سے بہ التجا
چلو چل کے دیکھ لو خود ذرا کہ مریض اب تو نڈھال ہے

جو زباں سے کچھ نہیں کہہ سکی نہ نظر سے کچھ بھی بتا سکی
اسے شاعری میں سمو دیا یہی شاعری کا کمال ہے

یہ ہرا بھرا تھا چمن مرا جہاں رہتے تھے کبھی شادماں
وہ نہ باغ ہے نہ ہے باغباں انہیں ڈھونڈنا بھی محال ہے

جو سزا ملی وہ بہت ملی تری شان سے اسے روکنا
نہ لے امتحاں تو نسیم کا اے مرے خدا یہ سوال ہے

☆

ظلم کے بعد عجب حال تمہارا ہوگا
میرے مٹنے کا بھی الزام تمہارا ہوگا

کیسی رودادِ جہاں آج سنائی تم نے
بہتے آنسو کا یہ دریا تو ہمارا ہوگا

ڈوبتی ناؤ کا منظر بھی عجب منظر تھا
ڈوبنے والا کسی غم ہی کا مارا ہوگا

روز اک تازہ ستم کرکے کہا کرتے ہیں
تم فسردہ رہو کب دل کو گوارا ہوگا

مت بڑھو آگے ذرا پیچھے بھی مڑ کر دیکھو
بے بسی میں کوئی گھبرا کے پکارا ہوگا

شہر اجڑے گا تو بس جائے گا دھیرے دھیرے
دل جو اجڑے گا تو نقصان تمہارا ہوگا

جانے کس موڑ پہ رک جائے نسیمؔ اپنی حیات
کاش مل جائیں نبیؐ دل کا سہارا ہوگا

دوستی کو تو ہم نے نبھایا بہت
دوست ہی بن گئے اجنبی کی طرح

ہر طرف دیکھئے غم کا ماحول ہے
اب خوشی بھی نہیں ہے خوشی کی طرح

دل دُکھانا زمانے کا دستور ہے
ہم تو سب سے ملے اپنوں ہی کی طرح

چارہ گر کیا بتائیں کہ کیا حال ہے
زخم بکھرے پڑے ہیں کلی کی طرح

حیف جس کے تصور میں کھوئے رہے
وہ بھی آکر ملے اجنبی کی طرح

بد گماں کوئی حد سے جو ہونے لگے
تم ملو اے نسیمؔ اجنبی کی طرح

☆

اپنی بے نام تمنا کی قسم اے ساقی
غم بھلانے کو بھی تھوڑا سا پیا جاتا ہے

جانے کسی موڑ سے پھر تم نے صدا دی مجھ کو
دل نہیں بڑھتا مگر پاؤں بڑھا جاتا ہے

جس کی حاجت نہیں دنیا کو وہ بیٹھا ہے ہنوز
جس کی چاہت ہے وہ دنیا سے چلا جاتا ہے

☆

قطعات

نہ جانے موسمِ گل میں گلوں پہ کیا بیتی
صبا ادھر سے بڑی بے قرار گزری ہے
یہ کون گذرا ہے ساری فضا معطر ہے
کہ جیسے اب کے نسیمِ بہار گزری ہے

ہم مسافر ہیں چلے جائیں گے کچھ دن رہ کر
تو اگر ساتھ دے کچھ دن تو تیرا ساتھ رہے
سنتے ہیں حشر میں آئیں گے بچانے سب کو
کاش اس ہاتھ میں کچھ دیر مرا ہاتھ رہے

شعر

آنکھ جب تک تھی کھلی ہم دید کو ترسا کیے
بند ہونے پر کوئی گر آشکار آیا تو کیا

متفرقات

نسیمؔ اب خوشی کو کہیں سے بھی لاؤ
ہنسو اور مل کر سبھوں کو ہنساؤ

عراق کے پس منظر میں

الٰہی جہاں میں یہ کیا ہو رہا ہے
ہر اک گھر میں آہ و فغاں ہو رہا ہے
بموں کی یہ بارش کہ دم گھٹ رہا ہے
ہر اک سمت شعلہ بپا ہو رہا ہے
یہ دنیا تو تیری بنائی ہوئی ہے
تو پھر ظلم کیوں برملا ہو رہا ہے
ہیں بندے ترے ہم کہاں جائیں یا رب
یوں لگتا ہے تو بھی خفا ہو رہا ہے
قیامت کے دن ہیں قیامت کی راتیں
ستم اب تو بے انتہا ہو رہا ہے
خدا رحم کر تو مری بے بسی پر
کہ ہر مرض اب لا دوا ہو رہا ہے
یہ بے نور آنکھیں یہ دلسوز آہیں
تلف جان کا کچھ سوا ہو رہا ہے
قلم رک نہ جائے نسیمؔ اب ہمارا
کہ حق بندگی کا ادا ہو رہا ہے

☆☆

نظم

سالِ نو کی آمد پر

کیسا گزرا ہے سال مت پوچھو
سالِ نو کا تو حال مت پوچھو
کہیں تو رہا روشنی کا بسیرا
کسی گھر میں چھایا ہوا ہے اندھیرا
کرسمس کا کیک سالِ نو کی مٹھائی
امیروں کے بچوں نے جم کر ہے کھائی
لیے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا
وہیں ایک بچہ جو گم صم کھڑا تھا
وہ بچہ بھی کچھ اس طرح منتظر تھا
ملے شاید اس کو مٹھائی کا ڈبہ
نئے سال کی کاش سب کو خوشی ہو
مسرت کی چاہت دلوں میں بسی ہو
کربناک منظر ہے سارے جہاں کا
کہ تیور بھی بدلا سا ہے آسمان کا
کوئی چھوڑے بم اور کوئی پٹاخے
کہیں تو خوشی ہے کہیں غم کے سائے

کہاں سے ہم ابا اور اماں کو لائیں
بتا سال نو کیسے خوشیاں منائیں

نیا سال وعدہ یہ کر آج مجھ سے
کبھی تم کو شکوہ کا موقع نہ دیں گے

جو ناداں ہیں وہ کچھ سمجھتے نہیں ہیں
بھلی بات کانوں سے سنتے نہیں ہیں

رہے دین بھی اور دنیا سلامت
کریں دل سے چھوٹے بڑوں کی جو عزت

تسنیم اب خوشی کو کہیں سے بھی لاؤ
ہنسو اور مل کر سبھوں کو ہنساؤ

☆☆

(ادھورے خواب)

چلتے چلتے اک مسافر تھک گیا جب راہ میں
آگیا آخر گھنیرے پیڑ کی وہ بانہہ میں

چند ہی لمحوں میں اس کو نیند ایسی آگئی
اس کو کچھ راحت ملی اور بیخودی سی چھا گئی

ایک گھنٹہ بعد اس کی نیند جب رخصت ہوئی
پھر تو جو راحت ملی تھی اس کو تب ہی کھو گئی

خواب کی دنیا میں کی اس نے نئی دنیا کی سیر
اور حقیقت کی جہاں سے ہو گئی تھوڑی سی بیر

یک بیک بس کی سڑک پر جب صدا آنے لگی
صبح نے اس کو جگایا اور بس جانے لگی

پھر مسافر اپنی منزل پر روانہ ہو گیا
چل پڑا تھا جس جگہ سے پھر وہیں آ کر رکا

آتے ہی گھر میں پھر اک ہنگامہ برپا ہو گیا
چاکلیٹ ٹوفی کی اب وہ شور میں ڈوبا رہا

اپنے بچوں کی تمنا بھی نہ پوری کر سکا
اس طرح سے خواب اس کا خواب بن کر رہ گیا

کاش اک ٹوفی سہی بچوں کو دے سکتا کبھی
اتنی چھوٹی سی تمنا بھی نہ پوری ہو سکی

☆☆

شکوۂ نیند

میری آنکھوں سے نیند یوں اڑ کر
کس کی آنکھوں میں سو گئی جا کر

رات بھر جاگ کر گزاری رات
دنیا سوئی تھی کس سے کرتی بات

بس خدا سے دعا ہی کرتی تھی
دل کی حالت اسی سے کہتی تھی

صبح ہونی تھی ہو گئی آخر
زندگی خود ہی جاگ اٹھی آخر

☆

فکر و عمل

خود ہی بنایا بنا کر مٹایا
معمہ یہ ان کا سمجھ میں نہ آیا
سمجھنے کی کوشش نہ کرنا کبھی تم
سمجھنے میں ہو جائے گی عقل ہی گم
خدا کا جو ہے حکم چلنا ہے تم کو
کہیں پر نہیں خود پلٹنا ہے تم کو
چلو سیدھے رستے خراماں خراماں
کہ پوشیدہ اس میں ہے دین اور ایماں
رسولِ خدا کی کرو پیروی تم
کرو فکر دل میں سدا اُخروی تم
نصیحت تو اوروں پہ کرنا ہے آساں
نسیمؔ اپنے بارے میں بھی سوچ ناداں

☆☆

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے تناظر میں

تو نے سوچا بھی نہ تھا بش کبھی ایسا ہوگا
خود تیرے شہر میں تیرا ہی تماشا ہوگا

اپنے ٹاور کی بلندی پہ گھمنڈ تھا تجھ کو
کیا خبر تھی یہ کبھی آگ کا دریا ہوگا

دیکھتے دیکھتے کیسی یہ قیامت گزری
دیکھ کر ایسے مناظر تو بھی سہما ہوگا

کتنے معصوم کا ہے خون تیری گردن پر
آگیا وقت حساب اس کا چکانا ہوگا

اب بھی کر لے تو اگر جور و ستم سے توبہ
معاف کر دے گا اگر دل سے پکارا ہوگا

دل کے اندر کا دھواں ہے جو یہ باہر نکلا
شب کی تاریکی ہی دن جیسا اجالا ہوگا

مانگ لے دل سے دعا امن کی خاطر تو بھی
رب سے بڑھ کر بھی کوئی کیا سخی داتا ہوگا

محوِ حیرت ہے نسیمؔ کس نے کیا یہ جادو
شہر امریکہ پہ بھی ایسا دھماکہ ہوگا

☆☆

سہرا

(بتقریب شادی برادرِ عزیز محتشم، مظفر پور، ۱۹۸۵)

کسی پری چہرہ کا چہرا روبرو سہرے میں ہے
چودھویں کا چاند گویا ہو بہو سہرے میں ہے

اللہ اللہ کس قدر جوشِ نمو سہرے میں ہے
سو بہاروں کی بہارِ رنگ و بو سہرے میں ہے

مست ہوتی ہے نظر پڑتی ہے سہرے کی طرف
رقصِ گل نیرنگیِ جام و سبو سہرے میں ہے

گوش بر آواز ہے ہر اک کلی ہر ایک پھول
شفقتِ مریم وفا کی گفتگو سہرے میں ہے

ہے دعا سب کی رہیں دولھا دلہن دونوں ہی شاد
اک مقدس زندگی کی آبرو سہرے میں ہے

زندگی کے گلستاں میں پھول بن کر یہ رہیں
امّی ابّا کے دلوں کی آرزو سہرے میں ہے

ان کی روحیں مسکراتی ہیں دعائیں دیتی ہیں
وہ نہیں موجود لیکن ان کی بو سہرے میں ہے

ہر لڑی سے کیوں نہ برسیں سرخیاں رنگینیاں
کتنے ارمانوں بھرے دل کا لہو سہرے میں ہے

سب ہی بہنیں ہیں اگرچہ اس خوشی میں باغ باغ
ہر نظر کو پھر بھی کوئی جستجو سہرے میں ہے

پھول کا سہرا لیے مالن کھڑی ہے سامنے
پھول فرطِ شوق میں کیا سرخرو سہرے میں ہے

ہے مسرت کا یہ موقع خوش رہو تم اے نسیم
در حقیقت آج دل کی آرزو سہرے میں ہے

☆☆

ایک عزیز کی ملاقات کی خواہش جو پوری نہ ہو سکی

تصور میں ان کو تو ہم پا رہے ہیں
خوشی کے ہی آنسو جو برسا رہے ہیں

یہ کیسی محبت ہے کیسی ہے چاہت
نہ وہ آرہے ہیں نہ ہم جا رہے ہیں

تڑپ ملنے کی اور بڑھی جا رہی ہے
جو دن واپسی کے قریب آرہے ہیں

ہمیں یاد آتا ہے جب اپنا ماضی
نقوش صنم دل پہ کیا چھا رہے ہیں

نہ ملنے پر ان سے عجب حال میں ہیں
بہت دیر سے دل کو سمجھا رہے ہیں

صبا جھوم کر یہ خبر لے کے آئی
کہ ملنے کو اشرف حسن آرہے ہیں

☆

اپنے بیٹے آصف کے نام

آسٹریلیا کا سفر، ملبرن ہوائی اڈہ

(۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۵ء بوقت ۶ بجے صبح)

پہنچے ملبرن کے ہم آنگن میں   کتنی خوشیاں سمیٹے دامن میں
بھیڑ سے نکلے ہم جو باہر تو   سامنے دیکھا بیٹے آصف کو
خوش ہوئی دیکھ کر گلے سے ملی   بڑھ کے سامان خود اٹھا لائی
ساتھ میں تھے وسیم صاحب بھی   دوستی ہے پرانی آصف کی
سب کے سب ساتھ آئے باہر میں   کار میں بیٹھے آئے پھر گھر میں
چائے فوراً ہی پیتے ہی مجھ کو   نیند آنکھوں میں آگئی مجھ کو
گھر پہنچ کر مجھے ملی راحت   یاد میں سب کے ہوگئی شدت
کبھی احمر رہے تصور میں   کبھی عاطف مرے تصور میں
فائزہ بھی تھی ذہن پر چھائی   یاد شیریں کی بار بار آئی
فیض ، شیراز اور مونیزہ   یاد آئے جو کھائے ہم پیزہ
ہر طرف جو خوشی کا منظر ہے   راز اس کا نسیم ڈالر ہے

☆

"ملبرن کا منظر"

گرچہ تھی اب بھی مرے سر میں سفر کی یہ تھکن
مٹ گئی دیکھ کر آصف کو یہ ماتھے کی شکن

ایسی پُر کیف فضاؤں میں سہانا منظر
چاہتا جی کہ پڑے رہیے ان کے ہی در پر

دشت ہو یا کہ چمن ایک ہی دیکھا منظر
سبز مخمل کی سب ہی اوڑھے ہوئے ہیں چادر

خود پہاڑوں کی بلندی کو بھی چھوتی تھی ہوا
تھی سمندر کی بدلتی ہوئی رنگین فضا

رُخ پہ شادابی لبوں پر تھے تبسم رقصاں
حسن کاری پہ یہ قدرت کی تھیں آنکھیں حیراں

ایک ہی دن میں کئی طرح کا موسم دیکھا
صبح کو دھوپ تو پھر شام کو پانی برسا

دھوپ نکلی تو گئی دیر سے جاتے جاتے
اس طرح وقت لگا شام کو آتے آتے

دیکھتے دیکھتے جب دیر سے سورج ڈوبا
اٹھ کے جلدی سے وضو کر کے کیا فرض ادا

ہر سینچر کو کہیں جب مرا جانا ہوتا
جہاں جاتی وہاں رنگیں سا نظارا ہوتا

سلسلہ پھر تو شروع ہو گیا آنا جانا
اور بس چلتا رہا پھر وہی کھانا پینا

پھر تو آصف نے کئی شہر دکھایا مجھ کو
اک سے اک بڑھ کے نئی چیز کھلایا مجھ کو

یاں کی دنیا ہی الگ اپنی ہے دنیا سے جدا
فکر کا نام نہیں بلکہ خوشی ہے برپا

مجھ سے زیبا بھی ملیں اور سعیدہ بھی ملیں
دونوں جب بھی ملیں اپنوں کی طرح جھوم اٹھیں

غیر کی بستی میں آ کر کے بھی شاداب ہیں ہم
آہ اپنے ہی وطن میں بڑے ناشاد ہیں ہم

ہے دعا بیٹا! خدا تجھ کو اماں میں رکھے
ساتھ اسلام کے جذبے کے جہاں میں رکھے

☆☆

(ایک خوبصورت شام میلبرن میں)

یہ وادی کا سبزہ پہاڑوں کا منظر
کبھی آ کے ملنا کبھی پھر بچھڑنا
یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ دلکش نظارے
چلے آئے اب ہی یہاں دھیرے دھیرے
یہ دلکش فضاؤں میں سن سٹ کا ہونا
ہوئی آج کی شام ایسی سہانی
ہے قدرت کا اس کے اک ادنیٰ کرشمہ
ہوئی رات تو ایک ہوٹل میں آئے
مزے دار چھولے اور پوری پراٹھے
ٹھہرتا جو وقت تو اسے روک لیتی
پھواروں کا پڑنا و بارش کا ہونا
مگر پھر بھی ہمت کسی نے نہ ہاری
مرے ساتھ بیٹھی تھیں راہل کی ممی

یہ بل کھاتی لہریں یہ نیلے سمندر
کئی رنگ پانی میں ان کا بدلنا
بڑا لطف آیا سمندر کنارے
قدم لڑکھڑاتے تو ان کو جماتے
سمندر میں آکاش کا جیسے ملنا
قلم میں بھی خود آگئی ہے روانی
سمندر کا پانی بھی گاتا ہے نغمہ
تو مکیش نے اچھے کھانے کھلائے
مگر اس نے اس پہ بھی انڈے ابالے
ذرا دیر رک کر مزے اور لیتی
اسی میں ہے راہل کو گاڑی چلانا
چلاتے رہے اس میں آصف بھی گاڑی
ہوئی ان سے باتیں نئی کچھ پرانی

بڑا لُطف آیا مجھے اس سفر میں
پہنچنا سرِ شام ہے اپنے گھر میں

☆☆

ایک پارک کا حسین منظر

ہے ملبرن شہر اک پہاڑوں کی دنیا
یہ پھولوں کی خوشبو بہاروں کی دنیا
کہیں نیلے پیلے گلابوں کا موسم
کہیں جوہی چمپا چنبیلی کا سنگم
یہ اونچے درخت اور گھنے ان کے سائے
ہیں سڑکوں پہ جیسے یہ خیمہ لگائے
عجب ان کی بیوٹی عجب دل کشی ہے
جسے دیکھ کر دل کو ہوتی خوشی ہے
یاں باہر کی دنیا بھی آکر بسی ہے
ہرے گھاس پر جن کی کوٹھی بنی ہے
پہاڑوں سے گرتا ہے پانی کا جھرنا
پھر اس کی بلندی پر چڑھنا اترنا
مگر شوق کے ہاتھوں چڑھ بھی گئے سب
تھکاوٹ ہوئی تو ٹھہر بھی گئے سب

☆☆

ملبرن سے سڈنی کا سفر

اور

اس کے چند مناظر

یوں ملبرن سے سڈنی بہت دور ہے
مگر جانے پر دل بھی مجبور ہے
ہے سڈنی شہر بھی نظاروں کی دنیا
سمندر کی دنیا بہاروں کی دنیا
ہری ڈالیوں کے ہیں بر فیلے جھونکے
دلوں کے ہیں اندر ہواؤں کے جھولے
سمندر کی ساحل پہ بچوں کا آنا
یہاں یوسف عادل کو بھی ہے نہانا
ہے پھولوں میں چمپا چنبیلی کا موسم
کہیں نیلے پیلے گلابوں کا سنگم
یہاں کے مناظر بھی پر کیف ہیں
خوشی اس کی ہے اسما و سیف ہیں
بہت خوبصورت ہے سڈنی کا ٹاور
پہاڑوں سے جھڑتے ہیں پانی کے شاور

خوشی میں کرسمس کے مدہوش ہیں اب
یہاں بچے بوڑھے بھی پُر جوش ہیں سب
شہر کو یہ ایسا سجائے ہوئے ہیں
زمیں پر ستارے بھی آئے ہوئے ہیں
یوں ہے ہار بر برج اپنی مثال
بنایا ہے جس نے ہے اس کا کمال
ہے آصف کو جانا تھکاوٹ نہیں ہے
محبت میں اس کی بناوٹ نہیں ہے

☆☆

نذرِ ڈاکٹر ظفر حمیدی

ہے یہ قصہ مختصر لیکن بہت گمبھیر ہے
غم زدہ دل میں مرے اس شخص کی تصویر ہے

ایک شاعر اور معالج معتبر اور نامور
تاجور دونوں ہنر کے نام تھا جن کا ظفر

جب تلک ممکن ہوا کرتے رہے سب کا علاج
بھول پائے گا کبھی دل سے نہ ان کو یہ سماج

علم کی گہرائی میں ان کے اتر نا ہے محال
لفظ و معنی میں رہا پوشیدہ ان کا ہر خیال

جو ورق سادہ تھا اس پر نقش بنتا ہی گیا
اور قلم کے زور پر ہر رنگ بھرتا ہی گیا

یہ صدی اکیسویں ہے اس کی بابت لکھ گیا
گویا پہلے ہی تصور میں وہ سب کچھ پڑھ گیا

شعر کے پردے میں کل تک جس نے افسانہ لکھا
آج خود ہی ہر زباں پر وہ فسانہ بن گیا

با ہنر وہ شخص اس دنیا سے کیا رخصت ہوا
محفل شعر و سخن میں اک اندھیرا چھا گیا

تھا نہ وہ محتاج رہبر اور نہ رہزن سے ڈرا
تھا بھروسہ بس خدا کا اور اس کا خوف تھا

گردش حالات کے سانچے میں وہ پلتا رہا
لڑکھڑایا گر پڑا پھر اٹھ کے خود چلتا رہا

بابِ جنت سے صدا رضواں نے دی آجا ادھر
واسطے تیرے رکھی ہے یہ جگہ خالی ظفرؔ

اے سمیعہؔ جو ظفرؔ کے واسطے تو نے لکھا
در حقیقت وہ عقیدت کا سمندر بن گیا

☆☆

(آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے)

(رحلت والدہ جناب صبغت اللہ حمیدی مظفر پور ۳۰ جولائی ۹۸)

کیسی یہ شب ہے آئی کہ ہوگئی جدائی
آنکھیں ہیں سب کی پُرنم آواز ہے بھر آئی
ماں کی شفیق ہستی اب گھر سے اٹھ گئی ہے
صبغت کی زندگی کی اک لو تھی بجھ گئی ہے
اس غم کا حال اس سے کیا پوچھتے ہو لوگو
سوچو جو سانحہ کو تو خود ہی تم سمجھ لو
تھا ان کی روشنی سے یہ سارا گھر منور
اب روشنی بھی جیسے خود ہو گئی ہو بے گھر
جنت کی تھیں وہ بی بی جا کر وہیں بسی ہیں
پہلے یہاں تھیں مالک اب اس جگہ مکیں ہیں
کالج سے آتے ہی وہ تھے ماں کے پاس جاتے
دو بات ان سے کر کے دل میں سکون پاتے
اب کس کے پاس جائے اور حالِ دل سنائے
وہ کون ہے جو ہنس کر اس کو گلے لگائے
رب سے ہے اب دعا یہ صبغت کو صبر دے دے
بچوں سے اس کے گھر کو آباد پھر سے کر دے

ابا کی دوستی کو عاصی نے بھی نبھایا
ہم سب نے ان سے مل کر سچا خلوص پایا
اس دوستی کو زندہ رکھنا ہے اب ظفر کو
دیتا ہے شمس جیسے کچھ روشنی سحر کو
سمیعہ نسیم کا بھی اک ربط ہے پرانا
اس گھر سے ربط کو ہے اب عمر بھر نبھانا

☆☆☆

چند اشعار

شوخی خوں ہے اب کہاں باقی
رہ گیا اب تو نام کا رشتہ

زندگی کو بس اب اک سکوں چاہیے
اور اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے

زندگی یہ نہیں ہے مرے دوستو
چلتی سانسوں کو تم زندگی نہ کہو

چلیے کچھ دیر ذرا آپ سے باتیں کرلیں
پھر نہ جانے ہمیں یہ شام ملے یا نہ ملے

تمہارے جور و جفا کی حدوں سے تنگ آکر
بتوں نے ہاتھ اٹھائے اب دعا کے لیے

سید ذکی حسن مرحوم کی وفات پر

چھپ گئے ہو کہاں ذکی بھائی
ڈھونڈ کر تھک گئے ذکی بھائی
جاتے جاتے بھی اک نظر مجھ کو
دیکھ لیتے جو تم ذکی بھائی
یوں تو جنت میں سو رہے ہو تم
سب کو لیکن رلا رہے ہو تم
یہ بیماری تو اک بہانہ تھا
رب کا مہمان بن کے جانا تھا
بس عبادت تمہارا کام رہا
دین و دنیا میں خوب نام رہا
تیرے رہنے سے سب کو راحت تھی
دور رہ کر بھی دل میں طاقت تھی
تھی تمہاری بہت بڑی ہستی
سونی سونی ہوئی ہے یہ بستی
بات یوں تو بگڑ کے کہتے تھے
لیکن اس میں اثر بھی رکھتے تھے

بھائی بھی غم سے ہو رہے ہیں نڈھال
کچھ نہ پوچھو اب ان کے دل کا حال

جان سب پر نثار کرتے تھے
سب عزیزوں سے پیار کرتے تھے

کیسے جائیں گے اب مظفر پور
جا کے دل ہوگا اور چکنا چور

اب رہا وہ نہ بولنے والا
پوچھتا تھا جو حال ہر اک کا

سیما، ناہید، زریں ، عمرانہ
صبر کا دے دے ان کو پیمانہ

جو خلا ہے نسیم کے دل میں
ہو سکے گا نہ پُر یہ محفل میں

☆☆

(اپنی عزیز بہن اسما خاتون کی رحلت پر)

جان سے تو عزیز تھی اسمہ
تجھ سے میرا تھا خون کا رشتہ
ایسا سوچا کبھی نہ تھا پیارے
جو جدائی کا غم دیا تو نے
یوں محل تو سجا دیا تو نے
گھر کی رونق چرا لیا تونے
سیر جنت کی کر رہی ہو تم
اب کے گھر میں سنور رہی ہو تم
حالِ دل اپنا کیا بتائیں ہم
اندر اندر ہے بس تمہارا غم
سارے کنبہ سے یوں بھرا ہے گھر
ہر طرف تجھ کو ڈھونڈتی ہے نظر
دل سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے
اشک پلکوں پہ بس مچلتا ہے
کاش اپنے بیٹے کا گھر بسا جاتی
اس طرح تو نہ سب کو رلواتی

بیٹے تنویر پر گئی جو نظر
آنکھ بھر آئی دل ہوا مضطر

بس گئی جا کے تو اب اتنا دور
تجھ کو ڈھونڈے گا اب مظفر پور

بیٹیاں بھی نڈھال ہیں تم سے
کیا کہے بیٹا چشم پرنم سے

کیسے جائے نسیم گولک پور
جا کے دل ہوگا اور بھی رنجور

☆

(متفرق چند اشعار)

وہ بہر عیادت کب آئے جب حالت اپنی غیر ہوئی
ہم اٹھ نہ سکے لب ہل نہ سکے آنکھوں سے اشارہ ہو نہ سکا

تم غیر کی محفل میں جا کر محفل کو سجانے بیٹھ گئے
دل کو تو سنبھالا لاکھ مگر یہ دل بھی ہمارا ہو نہ سکا

خود آگ لگائی گھر میں مرے اور پانی لائے بجھانے کو
اس آگ میں شدت اتنی تھی پانی کا سہارا ہو نہ سکا

☆

(آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے)

(فطن آپا کی رحلت پر)

مری پیاری آپا کہاں کھو گئیں تم — بہت ہم نے ڈھونڈا کہیں نہ ملیں تم
ابھی گھر میں سب کو ضرورت تھی تیری — ہر اک کو سمجھنے کی عادت تھی تیری
یہ سچ ہے کہ سچی محبت تھی تیری — اسی سے ہر اک دل میں چاہت تھی تیری
محبت کی باتیں وہ شیریں بیانی — سنائے گا کون اب ہمیں یہ کہانی
تیرے گھر جو پہنچی تو ماتم بپا تھا — درو بام جیسے سب ہی رو رہا تھا
میں نمناک آنکھوں سے سب سے لپٹ گئی — مگر بے بسی جیسے مجھ سے لپٹ گئی
بھرا گھر تھا لیکن اداسی تھی چھائی — ہر اک لمحہ دل کو تیری یاد آئی
تھا جانا تو اک دن مگر اتنی جلدی — بنا کچھ کہے تو نے جنت کو چل دی
اِرم کا پیادہ ترا منتظر تھا — خدا تجھ سے خوش تھا ترا گھر وہیں تھا
سعیدہ، زبیدہ، عبیدہ خدا را — کہ اب لولی، سوئٹی کو تم دو سہارا
جو افشاں بہو بن کے اس گھر میں آئی — ہر اک دل میں الفت کی شمع جلائی
دعا ہے ہمیشہ سہاگن رہے وہ — بہ مثلِ گلوں کے مہکتی رہے وہ
میری چشم نم ہے قلم ہے بوسیدہ — مگر دل کے اندر تم ہی ہو پوشیدہ
دعا ہے یہ دل کی خدا صبر دے دے — مسرت محبت سے اس گھر کو بھر دے
محبت کا تحفہ جو تم نے دیا ہے — ملے تم کو جنت یہ میری دعا ہے

محبت کا تم نے دیا ہے جو تحفہ
بھلائے نہیں بھول سکتی سمیعہ

جمہوریت کا پیغام
وزیر اعظم کے نام

سونیا جی کی ہے یہ شان جنتا پر ان کا احسان
منموہن جی بنے پردھان دعا ہے دل کی رہیں برجمان
آپ بنائیں اپنی پہچان سب کی مشکل کریں آسان
اپنے دل کا ہے ارمان ترنگا جھنڈا رہے نشان
ہے بھارت میرا استھان ہم کو نہ سمجھو تم انجان
گیتا ہو یا ہو قرآن سب کا نیکی ہے فرمان
خون خرابہ لہو لہان کب تک ہوگا یہ بلیدان
اب بھی سنبھل جا اے نادان گر باقی ہے کچھ بھی گیان
ہندو سکھ ہو یا مسلمان ایک ہی سب کا ہے بھگوان
ہندو کریں گے گنگا اشنان مسلم دیں مسجد آذان
بھری حویلی ہے سنسان سب کی جان کو سمجھو جان
کوچے گلیاں در دوکان سہما ہوا ہے ہر انسان
دکھ کو کہاں تک کریں بیان خود ہی سمجھ لو تم ہو مہان
لو نہ ہاتھ میں تیر کمان مل کر بڑھاؤ بھارت کی شان
اچھی بات پہ رکھے دھیان آدمی کی ہے یہی پہچان
واپس کر میری مسکان تب ہوگا تیرا سمان

ہندوستان یا پاکستان
بات نسیمؔ کی سچ ہے مان

مختلف اشعار

غم دور کر کے اور بھی مفلوج کر دیا
تنہائیوں میں رات کی دل بستگی تو تھی

غیر کا ذکر نہیں اپنوں کا قصہ بھی نہیں
میں وہ انساں ہوں کہ لب پہ کوئی شکوہ بھی نہیں

اس مشینی دور میں پھر مل گئے یہ کم نہیں
اب سبب مت پوچھئے اس بے سبب تاخیر کا

دل کا عالم عجیب عالم ہے
ساتھ رہ کر بھی یہ پریشاں ہے
زندگی جس قدر ہراساں ہے
موت دراصل اتنی آساں ہے

۷/جون ۲۰۰۵ء کو عارضۂ قلب میں مبتلا ہونے پر

اپنے عزیزوں کے نام

حرفِ آخر

آج تم نے بچا لیا مجھ کو　　کل مگر تم بچا نہ پاؤ گے
لاکھ کوشش کرو گے تم لیکن　　اس جہاں میں نہ ڈھونڈ پاؤ گے
رفتہ رفتہ ہماری یاد کو بھی　　وقت کے ساتھ بھول جاؤ گے
یاد جب آئے گی وفا میری　　اشک آنکھوں سے بس بہاؤ گے
رکھ کے کاندھوں پہ میری میت کو　　قبر میں تم مجھے سلاؤ گے
جب کبھی یاد میری آئے گی　　فاتحہ پڑھنے بیٹھ جاؤ گے
اب تو جاتے ہیں ہم خدا حافظ　　ہاتھ جنت میں پھر ملاؤ گے

آج سن لو نسیم سے کچھ شعر
سب کو پھر پڑھ کے تم سناؤ گے

تأثرات

پروفیسر حنیف کیفی

سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

تقریباً ستر سال کی عمر اور پچاس سال کی شعر گوئی کا تجربہ رکھنے والی سمیعہ خاتون صاحبہ زندگی کے مختلف و متعدد نشیب و فراز سے گزری ہیں۔ اپنے شعری سفر کے دوران انہوں نے اپنی فطرت اور مزاج نیز زمانے کے حالات کے جو اثرات قبول کیے ہیں انہیں پوری سچائی کے ساتھ اپنے شعروں میں سمو دیا ہے۔ ان کے اشعار میں ایک عام انسان کا دکھ درد بھی موجود ہے اور ایک عورت کے جذبات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔ عصری حالات، واقعات اور مشاہدات کا عکس بھی بڑی لطافت کے ساتھ ان کے اشعار کے آئینے میں نظر آتا ہے۔ سمیعہ تسنیم صاحبہ کی شاعری کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کو ہر طرح کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے دل کی باتیں سیدھے سادے انداز میں زبانِ شعر کے ذریعے ادا کر دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دل سے نکلی ہوئی باتیں جلد ہی دل میں اتر جاتی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس مجموعے کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

(حنیف کیفی)

پروفیسر حنیف کیفی، سابق صدر شعبۂ اردو
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

۳۰ / جولائی ۲۰۰۵ء

محترمہ سمیعہ تسیم صاحبہ کے کلام جو بیشتر ان کی غزلوں پر مشتمل ہے کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ ایک خوش فکر، حساس اور ذوق جمال رکھنے والی شاعرہ ہیں۔ ان کی غزلیں رواں دواں، مترنم اور تاثیر کی حامل ہیں۔ عشقیہ جذبات و کیفیات جس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ میدان مرد شاعروں کے لیے مخصوص ہے، تسیم نے اپنی غزلوں میں ان واردات کو بھی بڑے دلنشین انداز میں بیان کیا ہے جن کو پڑھ کر لطف بھی آتا ہے اور مسرت بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہیں ؂

چلیے کچھ دیر ذرا بیٹھ کے باتیں کر لیں
پھر نہ جانے ہمیں یہ شام ملے یا نہ ملے
اپنی پلکوں پہ حسین خواب سجائیں کیسے
پھر سے اجڑی ہوئی بستی کو بسائیں کیسے
عمر رفتہ سے تو وابستہ رہی اپنی حیات
عہد رفتہ کو بھلا دل سے بھلائیں کیسے
آگ باہر کی تو لوگ آ کے بجھا دیتے ہیں
دل کے اندر کی لگی آگ بجھائیں کیسے

مجھے یقین ہے کہ نسیم نے اگر اپنی کوشش جاری رکھی اور مشق کے دور سے نکلنے کی کوشش کرتی رہیں تو عنقریب ان کی صلاحیتوں سے مزید بہتر کلام اور سخن دلنشیں ہمارے سامنے آئے گا اور ہمارے لیے لطف و لذت کا باعث ہوگا۔

قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی
(صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
۲۹/جولائی ۲۰۰۵ء